

KOH NOVELS - URDU



*"Koth Novels - Urdu"*

Presents

A Keth Edison's Urdu Novel

\* \_ \_ \_ \*

**DHALWANA KI DAYAN**



# ڈھلوانہ گس ڈائن

از : کیتھ ایڈیسن

@koh\_writer'z

@koh\_edit'z

# ڈھلوانہ کی ڈائن

کیتھ اینڈرسن

---

کئی لوگ مجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ اپنی چالیس سالہ شکاری زندگی میں جو ہندوستان کے مختلف جنگلوں میں گزری، کیا میں نے کہیں کوئی بھوت بھی دیکھا؟ میں یہی جواب دیتا کہ بھوت پریت محض انسان کے تخیل کی پیداوار ہیں اور ان کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ تاہم میری شکاری زندگی میں کچھ ایسے واقعات ہیں جن میں میرا بھوتوں سے 'آمنا سامنا' ہوتے ہوتے رہ گیا۔ آج ایک ایسا ہی واقعہ نذرِ قارئین ہے۔ میں جس زمانے کا ذکر کر رہا ہوں تب ہندوستان میں جنگل زیادہ اور انسانی آبادیاں خال خال ہوا کرتی تھیں۔ کئی دیہات جنگلوں کے بیچ واقع تھے اور ان کے مابین بھی فاصلہ خاصا زیادہ تھا۔ بجلی کی سہولت نہ ہونے کے باعث گزرگاہیں سرشام ہی ویران ہو جایا کرتیں۔ ایسے میں اگر کوئی درندہ آدم خور ہو جاتا تو اسے زیر کرنا بڑا دقت طلب کام ہوتا۔ اسی وجہ سے آدم خور کی وارداتوں کو کسی مافوق الفطرت قوت سے منسوب کر کے توہم پرست لوگ اکثر طرح طرح کے قصے گھڑ لیتے۔

یہ قصے جہاں مقامی باشندوں میں خوف و ہراس پھیلانے کا سبب بنتے وہیں شکاری کے کام میں بھی رکاوٹ ڈالتے۔ یہ حقیقت ہے کہ مقامی باشندوں کا تعاون حاصل نہ ہو، تو ماہر سے ماہر شکاری بھی کسی جنگل میں اپنی مہم بخوبی سرانجام نہیں دے سکتا۔ اگر ان لوگوں کے دلوں پر چڑیل یا بھوت پریت کی ہیبت مسلط ہو جاتی تو اول وہ تعاون پر آمادہ ہی نہیں ہوتے تھے اور اگر ہو بھی جاتے تو ان کی اوٹ پٹانگ حرکتیں شکاری کی توجہ منتشر کرنے کے علاوہ کچھ فائدہ نہ پہنچاتیں۔

میں اپنی شکاری زندگی کا ایک ایسا عجیب و غریب واقعہ رقم کر رہا ہوں جس کا آغاز موضع گلوانہ میں میرے تبادلے سے ہوا۔ میں نے تھانے کا انتظام سنبھالا تو معلوم ہوا کہ ایسی درخواستوں سے ایک فائل بھری پڑی ہے جن کے سلسلے میں میرے پیش رو نے کوئی احکامات جاری نہیں کیے تھے۔ میں نے فائل کھولی تو اس میں کچھ انگریزی اور باقی مقامی زبان میں تحریر شدہ درخواستیں نظر آئیں۔ ان سب کا تعلق موضع کے مختلف دیہات سے تھا جن میں گزشتہ چھ ماہ کے دوران لاپتا ہونے والے افراد کی بابت نامکمل اندراجات تھے۔

عملے سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ گلوانہ سے بیس میل دور ایک قصبہ، پھلدار آباد ہے۔ اس کے اردگرد چھوٹی موٹی آبادیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ ان آبادیوں کے درمیان واقع گھنے جنگلوں کے وسیع و عریض قطعے انہیں ایک دوسرے سے جدا کرتے۔ یہ جنگل کسی زمانے میں چیتوں اور شیروں کی بہتات کے باعث بہترین شکار گاہ تصور کیے جاتے تھے۔

ان جنگلوں کے درمیان سے ایک گزرگاہ گزرتی تھی جس پر ایک پرانا مندر واقع تھا۔ اس کے کھنڈر شاید آج بھی وہاں موجود ہوں۔ اس مندر کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ آسیب زدہ ہے۔ دن کے اجالے میں تو قافلے اس گزرگاہ کو استعمال کر لیتے مگر شام کے سائے گہرے ہوتے ہی وہ علاقہ ویران اور سنسان ہو جاتا۔

فائل کی درخواستوں کے مطابق گزشتہ چھ ماہ کے دوران اس گزرگاہ کے آس پاس واقع دیہات سے بیس افراد لاپتا ہو چکے تھے۔ بیشتر کا تعلق پھلدار سے تھا۔ تھانے کے عملے نے بتایا کہ چونکہ وہ علاقہ آسیب زدہ ہے، اس لیے تمام وارداتوں کو بھوتوں اور چڑیلوں کے کھاتے میں ڈال دیا گیا۔ میرے دستِ راست راجو نے خیال ظاہر کیا کہ ان وارداتوں کی پشت پر کوئی شیر یا چیتا ہے۔ میرا بھی یہی خیال تھا۔ میں نے اپنے شک کی تصدیق کی خاطر اس تھانے کا تمام ریکارڈ چھان مارا۔ کسی آدم خور کی ہلاکت کے سلسلے میں پولیس کے ریکارڈ بڑی معاونت کرتے ہیں۔ روزنامچہ اگر درست لکھا گیا ہو، تو رپورٹ میں واردات کی تفصیل جزئیات کے ساتھ درج ہوتی ہے۔ شکاری اگر ذرا بھی توجہ سے کام لیتا تو اسے آدم خور کے بارے میں تفصیل باآسانی معلوم ہو جاتی۔

صد افسوس کہ تھانے کے رجسٹر میں آٹھ ماہ کی چند وارداتوں کا ذکر تھا جو شاید ایک آدم خور نے کی تھیں مگر انہیں بڑی خوبصورتی سے کسی مافوق الفطرت قوت کے کھاتے میں ڈال کر داخل دفتر کر دیا گیا۔ بعد ازاں میں نے اس سلسلے میں گلوانہ کے نمبردار سے رجوع کیا مگر کوئی قابل ذکر بات معلوم نہ ہو سکی۔ بالآخر میں نے راجو کے ہمراہ متاثرہ علاقوں کے دورے کا منصوبہ ترتیب دیا اور اپنے افسر اعلیٰ کو بھیج دیا۔ خلاف توقع تین روز بعد مجھے سرکار کی جانب سے وہاں جانے کا اجازت نامہ مل گیا۔

ابھی موسم گرما کی بارشوں کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ ندی نالے جن کی اس علاقے میں کثرت تھی، خشک پڑے تھے۔ میں پہلی بارش سے قبل پہنچنا چاہتا تھا لہذا سرکاری جیب کا استعمال مناسب سمجھا۔ راجو کے علاوہ دو اردلی بھی میرے ساتھ تھے۔

دوپہر کے وقت ہم پھلدار پہنچ گئے۔ یہ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی کہ اجالے میں بھی گاؤں سنسان پڑا تھا۔ گھروں کے دروازے بند تھے اور گلیوں میں اکا دکا مویشی اور بچے مٹر گشت کر رہے تھے۔ ہماری آمد کی اطلاع ملتے ہی گاؤں کا نمبردار ہمارے استقبال کے لیے چلا آیا۔ اپنے مہمان خانے لے جا کر اس نے ہماری خوب خاطر تواضع کی۔ جب میں نے اسے اپنی آمد کا مقصد بتایا، تو وہ کچھ سراسیمہ نظر آنے لگا۔ میرے استفسار پر اس نے بتایا:

صاحب! میں جانتا ہوں کہ آپ ایک ماہر شکاری ہیں مگر آپ اسے نہیں مار سکیں ” گے۔“ وہ دہشت زدہ آواز میں گویا ہوا۔ ”آپ یہی سمجھ رہے ہیں کہ ان وارداتوں کے پیچھے کسی درندے کا ہاتھ ہے مگر میں نے گزرگاہ پر خود اپنی آنکھوں سے ایک ”چڑیل کو کھڑے دیکھا ہے۔“

کیا مطلب ہے پٹیل صاحب۔“ میں نے راجو کے چہرے پر خوف کی منڈلاتی ” پرچھائیں دیکھ کر پوچھا۔

صاحب! میں سچ کہہ رہا ہوں۔“ وہ بدستور اسی لہجے میں بولا ”یقین نہ آئے تو آپ ” خود چل کر دیکھ لیجئے۔ چند روز قبل ہی ایک عورت لکڑیاں چننے وہاں گئی تھی ”مگر لوٹ کر نہیں آئی۔“

کیا؟“ میں نے اپنی نشست سے اچھل کر کہا۔ ”تم نے اس گمشدگی کی رپورٹ تھانے ” میں کیوں درج نہیں کرائی؟“

کوئی فائدہ نہیں صاحب۔“ وہ تاسف سے بھرپور لہجے میں بولا ”سرکار کچھ نہیں ” کر سکتی۔“

میں نے اسی وقت راجو کے ہمراہ مندر والی گزرگاہ کا معائنہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ نمبردار کے روکنے کے باوجود ہم نے جیپ سے فالتو سامان اتروایا، اسے اردلیوں کی نگرانی میں چھوڑا اور جیپ مندر تک جانے والے راستے پر دوڑا دی۔ ایک گھنٹے کی کٹھن مسافت کے بعد ہم گزرگاہ کے وسط میں پہنچے، تو میں نے گاڑی روک لی۔ آگے بڑھنے سے قبل میں علاقے کا اچھی طرح معائنہ کرنا چاہتا تھا۔ راجو بھی میرے ساتھ ہی جیپ سے اتر آیا۔ اس سے قبل میں نے رائفل کی دونوں نالیں بغور دیکھیں اور کارتوس لگا دیے۔ راجو کے پاس میری آزمودہ تین سو پچھتر میگنم جبکہ میرے پاس چار سو پچاس ایکسپریس تھی۔

-----

راجو کے پاس میری آزمودہ تین سو پچھتر میگنم جبکہ میرے پاس چار سو پچاس ایکسپریس تھی۔

گزرگاہ کا بغور معاینہ کرنے کے بعد میں کچھ پریشان ہو گیا۔ وہاں کچی زمین پر ایک مادہ شیرنی کے پنجوں کے نشان بکثرت تھے مگر جس بات پر میں ششدر رہ گیا وہ انسانی قدموں کی موجودگی تھی۔ ان نشانات کی خاص بات یہ تھی کہ دایاں پاؤں الٹا تھا۔ یہ دیکھ کر راجو کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ میری اپنی حالت غیر ہونے لگی۔ انسانی قدموں کے وہ نشان جنگل کے اندر تک جا رہے تھے۔ الٹے قدموں والے ان نشانات کی کوئی توجیہ میرے ذہن میں نہ آسکی۔

اس وقت سہ پہر ڈھل رہی تھی اور شام ہونے میں زیادہ دیر نہ تھی۔

”کیا خیال ہے راجو۔“ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا ”ان نشانات“ کا تعاقب کریں؟

”صاحب رات ہونے والی ہے۔“ راجو نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا ”پھر مجھے یقین“ ہے کہ یہ نشانات پچھل پیری کے ہی ہیں۔

پچھل پیری کی اصطلاح عام طور پر چڑیل کے لیے استعمال ہوتی ہے کیونکہ عام خیال یہی ہے کہ چڑیل کا داہنا پاؤں الٹا ہوتا ہے۔ راجو نے جس قسم کے ماحول میں آنکھ کھولی تھی، وہاں بھوت پریت اور چڑیلوں کے تذکرے روزمرہ کا معمول تھے لہذا وہ پر اسرار نشانات دیکھ کر اس کا خوفزدہ ہونا فطری تھا۔

دیکھو راجو، تم نے اب تک میرے ساتھ درجن بھر درندے شکار کر ڈالے ہیں۔“ میں نے اسے قائل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”ان میں سے اکثر کو بھوت پریت کا شاخسانہ قرار دیا گیا مگر جب ہم نے معاملے کا کھوج لگایا، تو وہ مقامی باشندوں کے ذہن کی پیداوار ثابت ہوئے۔“

مگر یہ نشانات؟“ راجو نے خوف میں ڈوبی ہوئی آواز میں جواب دیا۔“

مجھے یقین ہے ہم اس اسرار سے پردہ اٹھانے میں کامیاب ہو جائیں گے مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ ان نشانات کا تعاقب کیا جائے۔“

اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا اور ہراساں انداز میں کبھی راہ گزر کو دیکھتا تو کبھی اس کی نگاہیں جنگل کی طرف اٹھ جاتیں۔ اس سے قبل کہ میں مزید کچھ کہتا، ہوا کے دوش پر ایک ایسی آواز ابھری جسے سن کر راجو کا ہی نہیں میرا بھی رنگ فق ہو گیا۔ آواز جنگل کی طرف سے سنائی دی تھی۔

راجو یہ آواز!“ میں نے مرتعش لہجے میں یوں کہا جیسے مجھے اپنی سماعت پر ”شبہ ہو۔“

یہ تو کسی بچے کے رونے کی آواز ہے صاحب۔“ راجو نے سرسراتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

سرِ شام، گھنے جنگل کے سناٹے میں گونجنے والی وہ آواز کسی بھی ذی ہوش کے حواس گم کر دینے کے لیے کافی تھی مگر ہمارا معاملہ مختلف تھا۔ ہماری زندگی کے بیشتر شب و روز گھنے جنگلوں میں خونخوار درندوں سے نبرد آزمائی کرتے ہوئے بسر ہوئے تھے، اسی لیے ہمارے حواس خطا نہ ہوئے۔ ہم فوراً جیپ میں سوار ہو گئے اور اس طرف چل پڑے جہاں سے آواز آئی تھی۔

کچھ لمحوں بعد رونے کی آواز موقوف ہو گئی مگر ہم محتاط انداز میں رائفلیں تھامے اور آس پاس نظریں دوڑاتے جنگل میں داخل ہو گئے۔ اونچے اونچے درختوں اور گنی جھاڑیوں کے درمیان بل کھاتی گزرگاہ پر ایک شیرنی کے پنجوں کے نشانات کے ساتھ ساتھ انسانی قدموں کے وہ عجیب و غریب نشانات بھی نظر آئے جو ہم پہلے دیکھ چکے تھے۔ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ درندے اور انسانی قدموں کے نشان زیادہ پرانے نہ تھے۔ عجیب الخلقت قدموں کے نشانات اپنی جگہ مگر شیرنی کے پنجوں کے نشانی دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ پھلدار اور گرد و نواح میں ہونے والی گمشدگیوں کی پشت پر ایک آدم خور شیرنی کا ہی ہاتھ ہے۔ ہمارا رخ اس جانب تھا جہاں ہمیں بتایا گیا تھا کہ متروک مندر کے کھنڈر واقع ہیں۔ پنجوں کے نشانات کا رخ بھی اسی طرف تھا۔

ایک ٹیلے کے قریب گزرگاہ دو حصوں میں منقسم ہو گئی۔ ایک راستہ دائیں جانب، سیدھ میں چلا گیا دوسرا ٹیلے کے اوپر سے چکر کاٹ کر جنگل کے گھنے حصے میں داخل ہو رہا تھا۔ ہم نے سیدھا چلنے کا فیصلہ کیا کیونکہ زمین پر موجود نشانات بھی اسی طرف جا رہے تھے۔

تاریکی کے باعث زمین کا باریک بینی سے معاینہ ممکن نہ تھا۔ پھر بھی ہم آگے بڑھتے گئے۔ بڑھتے اندھیرے کے باعث نشانات بار بار کھو جاتے اور ہمیں رک کر دوبارہ سلسلہ ملانا پڑتا۔ خطرے سے مقابلے کے دباؤ اور نقوش پاکی جستجو میں ہم سمت کا خیال نہ رکھ سکے۔ وہ نشانات ایک ایسی جگہ پہنچ کر اپنا وجود کھو بیٹھے جہاں گزرگاہ کے دونوں کناروں پر برگد اور پپیل کے درخت شاخیں لٹکائے جھوم رہے تھے۔ درختوں کی شاخوں سے گزرگاہ کے کناروں پر لپٹی آگی بیلیں ہر لحظہ بڑھتی تاریکی میں خاصا ڈراؤنا منظر پیش کر رہی تھیں۔

مجھے اس امر پر حیرت تھی کہ اس بجے کے رونے کی آواز دوبارہ ہماری سماعت سے نہیں ٹکرائی تھی اب میں نے رائفل کی نال پر لگی ٹارچ روشن کر لی۔ روشنی میں نظر آیا کہ قدموں کے نشانات جنگل میں داخل ہو کر نظروں سے اوجھل ہو رہے ہیں۔ ہم پھر ان

کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ آخر تھوڑی دور آگے جا کر ویران مندر کے کھنڈر ہمارے سامنے آگئے۔

ابھی ہم مندر کا سیاہ ہیولا دیکھ ہی رہے تھے کہ اچانک دو مختلف آوازیں سن کر ہمارے کان کھڑے ہو گئے اور رائفلیں بے اختیار کندھوں سے آ لگیں۔ پہلی آواز گھوڑے کی ہنہناہٹ کی تھی جس کے فوراً بعد بچے کے رونے کی آواز دوبارہ فضا کو مرتعش کر گئی۔ دونوں آوازیں مندر کے اندر سے ابھری تھیں۔

میں نے راجو کو اشارہ کیا اور ہم دونوں ایک دوسرے کی پیٹھ سے پیٹھ جوڑے اطراف کا بغور جائزہ لیتے مندر کی طرف بڑھنے لگے۔ اب راجو نے بھی اپنی ٹارچ روشن کر لی۔ بچے کے رونے کی آواز تسلسل کے ساتھ ابھر رہی تھی۔ جیسے ہی ہم مندر کے احاطے میں داخل ہوئے ہمیں حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ احاطے کے اندر ایک بت ایستادہ تھا جس کے قدموں میں ایک بچہ ہاتھ پاؤں مارتا ہوا بلک بلک کر رو رہا تھا۔ اس سے کچھ فاصلے پر ایک اعلیٰ نسل کا گھوڑا بے چینی سے زمین پر کھڑا مارتا دکھائی دیا۔ ہم دونوں شدید حیرانی کے عالم میں کبھی بچے پر ٹارچ کی روشنی پھینکتے تو کبھی گھوڑے پر جو ہماری آمد کے باعث مزید بے چین ہو گیا تھا۔ آس پاس کسی اور ذی روح کا نام و نشان تک نہ تھا۔ میں اس ویرانے میں معصوم بچے اور سازو سامان سے آراستہ گھوڑے کی موجودگی کا کوئی جواز تلاش نہ کر سکا۔ ”وہ دیکھیے صاحب۔“ دفعۃً راجو نے ٹھٹھک کر اپنی ٹارچ کی روشنی بچے سے کچھ فاصلے پر ڈالی اور میں بھی ٹھٹھکے بغیر نہ رہ سکا۔ زمین پر خون کے دھبوں کے ساتھ کسی کے گھسیٹے جانے کے واضح نشانات نظر آ رہے تھے۔ مندر کے احاطے کی دیوار ایک طرف سے ٹوٹی ہوئی تھی، وہ نشانات اسی طرف جا کر جنگل میں غائب ہو رہے تھے۔ ہمارا بڑے پراسرار چکر سے پالا پڑ گیا تھا۔ ابھی ہم اس غیر یقینی صورت حال سے دو چار تھے کہ جنگل کے وسط سے ایک انسانی چیخ گونج کر بکھرتی چلی گئی۔

خوف کے مارے راجو کی گھگھی بندھ گئی۔ چیخ سن کر بچہ بھی زور و شور سے رونے لگا اور مجھے بھی اپنے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہوئے محسوس ہوئے۔

وحشیانہ چیخوں کی آواز کے ساتھ ہی آس پاس کے درختوں پر لنگور وغیرہ کانوں کے پردے پھاڑ ڈالنے والی چیخیں نکالتے ہوئے اچھل کود کرنے لگے۔ راجو کے چہرے سے تحیر اور فکر مندی ہویدا تھی۔ میری اپنی حالت اس سے کچھ مختلف نہ تھی۔ ”میرے خیال میں بچے اور گھوڑے کو پھلدار لے چلتے ہیں۔“ میں نے راجو کے کان میں کہا ”ان دونوں اور چیخوں کے اسرار سے کل اجالے ہی میں پردہ اٹھ سکتا ہے۔“

راجو نے میری رائے سے اتفاق کیا۔ اس نے آگے بڑھ کر بچہ اٹھایا اور واپس ہو لیا۔ میں گھوڑے کی لگام تھامے محتاط انداز میں ٹارچ کی روشنی میں ادھر ادھر نگاہیں دوڑاتا اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ گھوڑے نے جب دیکھا کہ ہم نے بچے یا اسے نقصان نہیں پہنچایا تو اس نے کوئی مزاحمت نہ کی۔

پندرہ بیس منٹ بعد ہم اپنی جیپ تک پہنچ گئے۔ گاؤں واپس پہنچے تو نمبردار بے چینی سے اپنے ساتھیوں کے ساتھ منتظر تھا۔ وہ سب گاؤں کے باہر الاؤ روشن کیے چارپائیوں پر بیٹھے تھے۔ بعض نے کلہاڑیاں اور بلم تھام رکھے تھے۔

ہماری روداد سن کر نمبردار بھی متحیر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ میں نے اسے وحشیانہ چیخوں اور الٹے قدموں کے نشانات کے بارے میں جان بوجھ کر نہیں بتایا کہ مبادا اس کی توہم پرستی زور پکڑ لے۔ بچہ اور گھوڑا نمبردار کے حوالے کرنے کے بعد ہم دونوں کھانا کھا کر سو گئے۔ اگلی صبح ہم ضروری سازو سامان سے لیس ہو کر جنگل میں جانے کے لیے تیار تھے۔ میں نے بچے اور گھوڑے کے سلسلے میں نمبردار کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ آس پاس کے دیہات میں اپنے آدمی بھیج کر ان کے ورثا کا کھوج لگائے۔

ایک گھنٹے بعد ہم دوبارہ اس مندر میں موجود تھے جہاں گزشتہ شام محیر العقول واقعات پیش آئے تھے۔ دن کے اجالے میں جب ہمیں مندر کے احاطے کا بغور جائزہ لینے کا موقع ملا، تو ہم پر ایک انکشاف ہوا۔ گرد آلود فرش پر گھسیٹے جانے اور خونی

چھینٹوں کے ساتھ ساتھ شیرنی کے پنچوں کے نشانات بھی بکثرت تھے۔ ان نشانات کے درمیان الٹے قدم والے نشان پا بھی دکھائی دیے۔ خون کے چھینٹوں کا تعاقب کرتے ہوئے ہم مندرسے نکل کر گھنی جھاڑیوں کے جھنڈ تک پہنچ گئے۔ اس مقام پر درخت اگرچہ زیادہ نہیں تھے لیکن وہ خاصے تناور تھے اور ان کی گنجان شاخیں نیچے تک جھکی ہوئی تھیں۔ ہم ایک ایک جھنڈ کا بغور جائزہ لیتے آہستہ آہستہ آگے بڑھے۔ ہمیں خطرہ تھا کہ کسی بھی لمحے شیرنی ہم پر حملہ کر سکتی ہے۔

-----

ہمیں خطرہ تھا کہ کسی بھی لمحے شیرنی ہم پر حملہ کر سکتی ہے۔

دفعۃً بیس پچیس گز دور، جھاڑیوں کے ایک جھنڈ پر بکثرت مکھیاں اڑتی نظر آئیں۔ ذرا اور آگے بڑھے تو ان کی بھنبھناہٹ صاف سنائی دینے لگی۔ لاش خواہ انسان کی ہو یا کسی حیوان کی، اگر تا دیر جنگل میں پڑی رہے تو گوشت خور مکھیاں بکثرت اس پر ٹوٹ پڑتی ہیں۔ لیکن تعجب خیز بات یہ ہے کہ اگر شیر کسی جانور کو ہلاک کرے، تو اس کی موجودگی میں کوئی مردار خور جانور تو درکنار گوشت خور مکھیاں بھی لاش کے قریب نہیں پھٹکتیں۔

عموماً شیر آدھا جانور کھا کر باقی ماندہ جھاڑ جھنکار سے چھپا دیتا ہے جو اس بات کی واضح علامت ہے کہ شیر نے دوبارہ اسے کھانا ہے۔ لیکن اگر شیر کا واپسی کا کوئی ارادہ نہ ہو تو وہ لاش چھپانے کی زحمت نہیں کرتا، یہ ایک طرح سے گدھوں، سیاہ گوشوں اور دوسرے مردار خوروں کے لیے دعوت عام ہوتی ہے۔

جھنڈ پر گوشت خور مکھیاں بکثرت دیکھ کر میں نے یہی اندازہ لگایا کہ شیرنی وہاں موجود نہیں۔ قریب پہنچنے پر ہمیں جھاڑی کے اندر پڑی ایک لاش نظر آگئی لیکن اس کی حالت اس قدر خراب تھی کہ پہلی نظر میں اس پر گوشت اور خون کے ملغوبے کا گمان گزرتا تھا۔ ارد گرد جا بجا ہڈیاں اور بال بکھرے ہوئے تھے۔

شیرنی نے جو کسر چھوڑ دی وہ گوشت خور مکھیوں اور دوسرے مردار خوروں نے پوری کر دی تھی۔ ہم نے اطراف کا جائزہ لے کر اطمینان کر لیا کہ وہاں آدم خور موجود نہیں، غالباً وہ گزشتہ رات پیٹ بھر کر جا چکی تھی۔ مجھے اس بات پر دلی تاسف ہوا کہ ہمارے سامنے پڑی ہوئی باقیات کسی عورت کی لاش کی تھیں۔ اس کا فقط ایک پاؤں اور بایاں ہاتھ سلامت رہ گئے تھے۔ مخروطی انگلیوں والے مر مر میں ہاتھ دیکھ کر میرے دل پر گھونسا سا لگا۔ جانے کیوں مجھے لگا کہ وہ خاصی خوبصورت عورت ہو گی۔ زرق برق لباس کے چیتھرے دیکھ کر ہمیں احساس ہوا کہ اس کا تعلق کسی متمول گھرانے سے ہے۔

مجھے یقین ہے جناب وہ گھوڑا اسی عورت کی ملکیت تھا۔“ راجو تاسف بھرے ”انداز میں بولا۔“ اور شاید وہ بچہ بھی۔“

مگر شام گئے کوئی عورت اپنے بچے کو لے کر اس قدر پر خطر جنگل میں کیوں آئی؟“ میں نے ہنکارا بھر کر جواب دیا۔

یہ تو اس بد نصیب کا کوئی اتا پتا معلوم ہونے کے بعد ہی معلوم ہو سکتا ہے۔“ یہ ”کہہ کر راجو نے ایک لکڑی سے لاش کو یوں الٹ پلٹ کر دیکھا جیسے اسے کسی شے کی تلاش ہو۔ بالآخر لاش کے نیچے سے سونے کا ایک جڑاؤ تعویذ نکل آیا جس کی پشت پر ”گامنی“ کندہ تھا۔ میں نے تعویذ رومال میں لپیٹ کر تھیلے میں رکھا اور راجو کے ہمراہ واپس مندر آگیا۔ آس پاس کا بغور جائزہ لینے کے بعد ہم پر یہ انکشاف ہوا کہ شیرنی نے اپنے بیشتر شکار کھنڈر کے قریب ہی ہڑپ کیے تھے۔ جھاڑیوں میں جا بجا انسانی ہڈیاں اور لباس کے بوسیدہ چیتھرے بکھرے پڑے تھے۔

مجھے یقین ہے یہ مندر آدم خور کا مستقل ٹھکانا ہے۔“ میں نے رائے دی۔“

لیکن صاحب وہ الٹے پاؤں والے نقوش اور رات کو سنائی دینے والی چیخ؟“ راجو“  
جھر جھری لے کر بولا۔

اگر میں نے وہ چیخ نہ سنی ہوتی یا الٹے قدموں کے نشانات نہ دیکھے ہوتے، تو شاید  
میں بھی اس بات پر یقین نہ کرتا۔ مجھے خاموش پا کر راجو بولا

“صاحب! یہاں ضرور کوئی ایسا چکر چل رہا ہے جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔“

فی الحال ہم گاؤں واپس چلتے ہیں۔“ میں نے جواب دیا۔ ”خوراک اور وافر گولیاں“  
لے کر ہم سرشام مندر کے قریب کسی مضبوط درخت پر مچان بنائیں گے۔ مجھے یقین  
ہے اس طرح ہم نہ صرف آدم خور کو کیفر کردار تک پہنچا دیں گے بلکہ چڑیل کے  
“اسرار سے بھی پردہ اٹھ جائے گا۔“

مچان کے لیے ایک تناور درخت کا انتخاب کرنے کے بعد ہم واپس گاؤں پہنچ گئے۔  
نمبردار بے چینی سے ہمارا منتظر تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں ایک آدمی کھڑا نظر آیا،  
معمولی سے لباس میں ملبوس وہ شخص مجھے دیکھتے ہی میرے قدموں میں گر گیا۔  
میں نے اسے اٹھایا تو وہ میرے ہاتھوں کو بوسے دینے لگا۔

ارے یہ کیا کر رہے ہو؟“ میں نے بڑی مشکل سے خود کو چھڑاتے ہوئے کہا۔“

جناب! یہ اس بچے کا باپ ہے جسے کل رات آپ جنگل سے نکال کر لائے“  
تھے۔“ نمبر دار نے وضاحت کی۔

تمہارا بچہ کیسے گم ہوا تھا؟“ میں نے اسے اپنے ساتھ چارپائی پر بٹھاتے ہوئے  
کہا۔

صاحب! کوئی رات کے وقت اسے میری بیوی کے پہلو سے اٹھا کر لے گیا تھا۔“ وہ ”  
گڑگڑا کر بولا۔

بد قسمتی سے اس آدمی سے کوئی کام کی بات معلوم ہو سکی نہ ہی گھوڑے یا عورت کے بارے میں کچھ پتا چلا۔ اگر نمبر دار اسے وہاں سے نہ بھیجتا تو شاید غریب آدمی ممنونیت کے مارے وہیں بیٹھا رہتا۔ بچے کے ساتھ ساتھ نمبر دار نے گھوڑے کے مالک کا پتا چلانے کی کوششیں بھی کی تھیں مگر اس کا کوئی سراغ نہ ملا۔ ہم نے اسے عورت کی لاش کا بتایا، تو وہ ششدر رہ گیا۔ ہمارے ساتھ جا کر لاش دیکھنے پر نمبردار نے بتایا کہ یہ اس عورت کی نہیں جو چند دن پہلے غائب ہوئی تھی۔ شاید شیرنی اسے جنگل کے گھنے حصے میں لے گئی تھی جہاں تک انسانوں کی رسائی مشکل تھی۔

بہر حال ہم نے سہ پہر کو اپنا سازو سامان سنبھالا اور مندر پہنچ گئے۔ راجو نے بڑی احتیاط سے مندر کے احاطے میں واقع درخت پر مچان باندھی اور ہم دونوں اندھیرا پھیلنے سے قبل اس پر براجمان ہو گئے۔ تاریکی پھیلنے سے ہر طرف موت کا سا سکوت طاری ہو گیا۔ کبھی کبھی کہیں دور سے گیدڑوں کے چیخنے کی آوازیں سنائی دیتی، تو خاموشی ٹوٹتی۔ ہماری کان کسی آہٹ پر لگے ہوئے تھے مگر دور تک شیر کی موجودگی کے آثار نظر نہ آئے۔

اصولاً جب شکاری مچان پر بیٹھتا ہے، تو قریب ہی ادھ کھائی انسانی لاش یا زندہ بچھڑے کی موجودگی ضروری ہے، اس کے بغیر شیر مچان کے نیچے نہیں آتا۔ مگر ہمارا معاملہ دوسرا تھا۔ ہم نے مچان ہی ایسی جگہ بنائی تھی جو ہمارے خیال میں شیرنی کی گزرگاہ تھی، اس لیے اسے پھانسنے کے لیے ہمیں کسی زندہ یا مردہ جاندار کی ضرورت نہ تھی۔ پھر مجھے ان پر اسرار نقوش پا کی بھی فکر لاحق تھی۔ میں پچھلی پیری کی حقیقت جاننے کے لیے بے تاب تھا۔

میرا ذہن اپنے خیالات میں الجھا ہوا تھا کہ راجو نے مجھے ہلکا سا ٹھوکا دیا۔ اسی وقت جنگل کے جنوبی حصے سے ایک مادہ چیتل کی آواز گونجتی سنائی دی۔ میں نے

محتاط ہو کر پہلو بدلا اور تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ رات کاجل کی طرح سیاہ اور ڈراؤنی تھی اور تاریکی اتنی کہ قریب کھڑے ہوئے درخت بھی اس کا حصہ بن گئے تھے۔

آسمان پر چاند ستاروں کی قندیلیں ضرور روشن تھیں لیکن گھنے جنگل کے باعث ان کی مدہم روشنی کسی کام کی نہ تھی۔ معاً مجھے لگا جیسے کوئی زندہ وجود کچھ فاصلے پر موجود ہے اور حالات کا جائزہ لے رہا ہے۔ رات کی تاریکی میں آدم خور درندے کی قوت سامعہ، شامہ اور باصرہ اس قدر تیز ہو جاتی ہے کہ اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ انہی فطری ہتھیاروں کے باعث وہ عرصہ دراز تک شکاریوں سے بچا رہتا ہے۔ لیکن میری چھٹی حس نے بتایا کہ اس وقت جو کوئی بھی آس پاس موجود ہے، وہ کم از کم شیرینی نہیں۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ شیر کی موجودگی میں ماحول میں کس قسم کی تبدیلیاں جنم لیتی ہیں۔ شاید راجو نے بھی یہ بات محسوس کر لی۔ اسی لمحے نا قابل بیان حد تک تیز بدبو کا بھبھکا میرے نتھنوں سے ٹکرایا۔ میں نے بے اختیار اپنی نظریں اس طرف گھمائیں جہاں سے بدبو آئی تھی۔ ادھر جھاڑیوں میں سر سراہٹ ہو رہی تھی جو وہاں کسی کی موجودگی کا پتا دیتی تھی۔ تاہم کوئی جانور مثلاً گیدڑ بھی جھاڑی ہلا سکتا تھا، اس لیے میں دم سادھے بیٹھا رہا۔

-----

تاہم کوئی جانور مثلاً گیدڑ بھی جھاڑی ہلا سکتا تھا، اس لیے میں دم سادھے بیٹھا رہا۔

دفعۃً ایک سیاہ ہیولا جھاڑی سے نکلا اور گھر رگھر کی آواز نکالتے ہمارے عین سامنے واقع درخت کی اوٹ میں چلا گیا۔ میں نے فوراً ٹارچ روشن کر دی مگر وہاں تو جیسے کچھ تھا ہی نہیں۔ اسے نظر کا فریب بھی قرار نہیں دیا جا سکتا تھا کیونکہ کوئی میری آنکھوں کے سامنے درخت کی اوٹ میں گیا تھا۔ راجو نے اسے دیکھ لیا تھا۔

صاحب یہ کیا تھا؟“ اس کی سرسراتی ہوئی آواز میری سماعت میں پڑی۔”

میں نے کوئی جواب نہ دیا اور ٹارچ کی روشنی اسی درخت پر ڈالے رکھی۔ اس دوران میرا دل طرح طرح کے وسوسوں کا شکار تھا۔ میری شکاری زندگی میں چند بار ہی ایسا ہوا تھا کہ کوئی بھولا بھٹکا انسان عین اس لمحے جنگل میں آٹپکا جب میں مچان پر بیٹھا شیر کا انتظار کر رہا تھا۔ تب میں نے بڑی مشکل سے نہ صرف درندے کو کیفر کردار تک پہنچایا بلکہ اس شخص کی جان بھی بچالی۔ مجھے لگ رہا تھا کہ میں پھر ایسی ہی کٹھن صورت حال سے دو چار ہوں۔

اس لمحے جنگل کا چپہ چپہ گہرے سکوت میں غرق ہو گیا تھا۔ میں نے رائفل پر گرفت مضبوط کر لی۔ اس کا کندا میری ران پر ٹکا ہوا تھا۔ میں بڑی احتیاط سے، آہستہ آہستہ اسے کندھے تک لانے میں کامیاب ہوا۔ تقریباً دس منٹ یونہی گزر گئے۔ رات کا بڑا حصہ بیت چکا تھا اور سردی نقطۂ عروج پر تھی۔ معاً داہنی طرف سے خفیف سی آواز آئی اور اب میں نے اس پر اپنی سماعت مرتکز کر دی۔

یوں لگتا تھا جیسے کوئی جاندار خشک پتوں پر دبے پاؤں چل رہا ہے۔ چند ثانیے بعد وہ آواز مزید واضح ہو گئی۔ اب میں اسے بخوبی پہچان سکتا تھا۔ آواز خشک پتوں پر بھاری جسم والے جانور کے چلنے سے پیدا ہو رہی تھی۔ رات کے اس پہر آدم خور شیرنی کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا؟ پرندے، حشرات الارض اور مینڈک سبھی درندے کی موجودگی سے باخبر تھے، اسی لیے انہوں نے چپ سادھ لی۔

کچھ دیر بعد مچان کے بالمقابل پتوں کے چرچرانے کی آواز سنائی دی اور لمبی لمبی گھاس میں سے شیرنی کا بڑا ساسر برآمد ہوا۔ اس کی آہگینوں کے مانند دمکتی ہوئی آنکھیں مندر کی شکستہ دیوار کے اس شگاف پر مرکوز تھیں جہاں سے غالباً وہ احاطے میں داخل ہوا کرتی تھی۔ میں نے سانس روک لی۔ میں اس وقت گولی چلانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا جب تک کہ درندہ مکمل طور پر میرے سامنے آجاتا۔ چند ثانیے

ساکت رہنے کے بعد شیرنی دو چھلانگوں میں احاطے کے اندر آگئی۔ احاطے کے اس حصے میں درختوں سے چھن کر آنے والی چاندنی نے سماں کچھ روشن کر رکھا تھا۔ میں مدہم روشنی میں یہ دیکھ کر کانپ اٹھا کہ شیرنی نے ایک انسانی لاش اٹھا رکھی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے درندے نے لاش زمین پر رکھی اور شرپ شرپ کی آوازوں کے ساتھ اس کا خون چاٹنے لگی۔ شیرنی شکار کو ہلاک کرنے کے بعد اس کا گوشت کھانے سے پہلے بھوک بڑھانے کی غرض سے خون چاٹتی ہے۔ اس وقت جن احساسات نے میرے وجود کا احاطہ کر لیا، انہیں الفاظ کی شکل دینا کم از کم میرے بس سے باہر ہے۔

لاش بھنبھوڑتے ہوئے آدم خور کی پشت میری جانب ہو گئی۔ میں نے سانس روک کر اس کی گردن کا نشانہ لے لیا۔ بد قسمتی سے جب میں نے ایک دم فائر کیا، تو میری انگلی پھسل گئی اور دونوں ٹرائگر ایک ساتھ دب گئے۔ یوں دونوں نالیں ایک ساتھ فائر ہو گئیں۔

چار سو پچاس ایکسپریس رائفل کے زبردست دھکے سے وہی لوگ واقف ہیں جو بھاری رائفیں استعمال کرتے رہے ہوں۔ دونوں کارتوس ایک ساتھ چلنے کی وجہ سے میرے شانے پر ایسی زبردست ضرب لگی کہ رائفل میرے ہاتھ سے نکل گئی اور میں خود کو سنبھالنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے دھڑام سے چاروں شانے چت زمین پر جا گرا۔

دھماکے کی آواز کے ساتھ ہی شیرنی کے حلق سے ایسی زبردست دھاڑ برآمد ہوئی کہ میرا دل لرز گیا۔ جب اوسانبحال ہوئے، تو سامنے نظر آنے والے منظر نے میرے جسم میں سنسنی دوڑا دی۔ رائفل میری پہنچ سے دور پڑی تھی اور میں تیس گز کے فاصلے پر کھڑی شیرنی کو بے بسی اور خوف کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ اندازہ کیجیے۔ غیظ و غضب کی تصویر بنی آدم خور صرف تیس گز کے فاصلے پر تھی اور میں خالی ہاتھ زمین پر چت لیٹا ہوا تھا۔

مجھے یقین ہو گیا کہ میرا آخری وقت آ پہنچا مگر خدا بھلا کرے راجو کا کہ اس نے سنگین صورت حال میں بھی اپنے حواس بحال رکھے اور یکے بعد دیگرے دو فائر شیرنی کی جانب جھونک دیے۔ میرے فائر تو ضائع گئے ہی تھے مگر راجو کی گولیاں بھی شیرنی کا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ اب تو مجھے اپنی موت کا پکا یقین ہو گیا۔ اس دوران شیرنی چوکے انداز میں میری جانب بڑھنے لگی۔

میں نے کھسک کر اپنی پشت درخت کے تنے سے لگا لی۔ ادھر راجو بھی اپنی رائفل دوبارہ بھر چکا تھا۔ اس نے فائر کیا، تو اچانک درخت کی اوٹ سے نکل کر ایک سیاہ بیولا اس کے اور شیرنی کے درمیان حائل ہو گیا۔ راجو کی چلائی ہوئی دونوں گولیاں شیرنی کو لگنے کے بجائے اس سیاہ بیولے کے جسم سے آر پار ہو گئیں۔ اسی لمحے شیرنی ایک ہی جست میں احاطے کی دیوار پار کر کے گھنے جنگل میں روپوش ہو گئی۔ میرے اعصاب جو پہلے ہی آدم خور سے یوں اچانک آنا سامنا ہو جانے پر ترخ گئے تھے، اس عجیب و غریب منظر کی تاب نہ لا سکے اور آہستہ آہستہ میری آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ مجھے کچھ یاد نہیں، بس یہ احساس باقی رہا کہ میرا ذہن اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا جا رہا ہے۔

-----

منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے پڑتے ہی میں ہوش و حواس کی دنیا میں واپس لوٹ آیا۔ راجو نے میرا سر اپنی گود میں رکھا ہوا تھا اور وہی میرے چہرے پر پانی کے چھینٹے مار رہا تھا۔ کچھ فاصلے پر میلے کچیلے چیتھڑوں میں ملبوس کسی انسان کی لاش پڑی تھی۔ اس سے اتنی شدید بدبو اٹھ رہی تھی کہ مجھے ابکائی آتی محسوس ہوئی۔ چند گھونٹ پانی پینے کے بعد میرے حواس درست ہوئے تو میں نے راجو کے ساتھ اس لاش کا معائنہ کیا۔

وہ ایک کورڑھی کی لاش تھی۔ وہ بد نصیب شخص کورڑھ جیسے بھیانک مرض کی آخری منزلیں طے کر رہا تھا کہ راجو کی چلائی ہوئی گولیوں کا نشانہ بن گیا۔ شاید وہ یہ سمجھا

کہ راجو اسے گولی مار رہا ہے۔ اس زمانے میں المورہ، کماؤں اور دوسرے دیہی علاقوں میں کوڑھ کثرت سے پھیلا ہوا تھا۔ طبی سہولیات نہ ہونے اور جہالت کے باعث لوگ مریض کا علاج معالجہ نہیں کراتے تھے، اس لیے مرض بڑھتا رہتا۔

کوڑھی کو عام طور پر اس کے رشتے دار بھی قبول نہ کرتے اور بے چارہ جنگلوں بیابانوں میں زندگی کے آخری ایام بسر کرنے پر مجبور ہو جاتا۔ اس وقت ہمارے سامنے ایسے ہی کسی کوڑھی کی لاش پڑی تھی۔ عجیب بات یہ تھی کہ غالباً پولیو کے باعث اس کا داہنا پاؤں غیر فطری انداز میں مڑا ہوا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ الٹے قدموں کے وہ نشان اسی بدنصیب شخص کے تھے اور وہی راتوں کو تکلیف کے باعث جنگل میں چیختا بھی رہتا۔ سادہ لوح دیہاتی اسے پچھل پیری سمجھ کر اس سے خائف ہو گئے۔ نہایت بدبو دار گوشت کی وجہ سے اس چلتی پھرتی لاش سے دیگر حیوان تو کیا شیر بھی قریب نہیں پھٹکتا تھا۔

میرے ہاتھ سے ظلم ہو گیا صاحب!“ راجو کی درد میں ڈوبی آواز میری سماعت سے ”ٹکرائی۔ میں نے اس کی طرف نگاہ اٹھائی، تو صبح کاذب کے ملگجے اجالے میں راجو کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہتی صاف دکھائی دیں۔

ارے بے وقوف، تو نے تو اس بدنصیب پر احسان کیا ہے۔“ میں نے اس کا کندھا ”جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ ”سسک سسک کر جینے سے یہ اندھی موت ہزار درجے بہتر ہے۔ ہو سکتا ہے وہ بھی مرنا چاہتا تھا ورنہ ایسے موقع پر کبھی یہاں نہ آتا۔

دن کے اجالے میں احاطے کا معاینہ کرنے پر انکشاف ہوا کہ ہماری چلائی ہوئی گولیوں میں سے کوئی ایک شیرنی کو زخمی کر گئی تھی کیونکہ خون کے نشانات جنگل میں خاصی دور تک چلے گئے تھے۔ شیر کے شکار کا سب سے خطرناک مرحلہ اسے تعاقب کر کے ہلاک کرنا ہے۔ مچان پر سے تو کوئی بھی درندہ بآسانی شکار کیا جا سکتا ہے مگر دو بدو مقابلے میں شکاری کی اپنی جان جانے کے امکانات بھی خاصے ہوتے ہیں۔ خصوصاً جب شیر زخمی ہو، تو خطرہ دو چند ہو جاتا ہے۔

ہم نے فوراً شیرنی کا تعاقب کرنا مناسب نہیں سمجھا اور گاؤں واپس آگئے۔ نمبر دار ہماری پتا سن کر حیران پریشان ہو گیا۔ ہمارے یقین دلانے کے باوجود وہ یہی سمجھتا رہا کہ جنگل اب بھی پچھل پیری سے آباد ہے۔ تاہم جب اس نے دوسرے لوگوں کے ساتھ جا کر کوڑھی کی لاش دیکھی، تو ان سب کا خوف دور ہوا اور انہیں یقین ہو گیا کہ دیہات کے باشندوں کو ایک آدم خور شیرنی ہلاک کر رہی ہے۔ ہمارے استفسار پر اس نے بتایا کہ اس گھوڑے کے مالک کا تا حال کوئی سراغ نہیں مل سکا۔

دو گھنٹے آرام کرنے کے بعد ہم نے تھانے سے شیر کے شکار میں استعمال ہونے والے سدھائے ہوئے گھوڑے منگوائے اور آدم خور کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے۔ یاد رہے جوں جوں آدم خور کا تجربہ بڑھے اس کی مکاری، چالاکی اور سفاکی بڑھتی جاتی ہے۔ اس کی حسیات اتنی قوی ہو جاتی ہیں کہ وہ دور سے شکاری کی بو پا لیتا ہے اور پھر ادھر کا رخ نہیں کرتا۔ ایسے میں اگر وہ شکاری کے ہاتھوں زخمی بھی ہو جائے تو معاملہ مزید گمبھیر ہو جاتا ہے۔

دوسری طرف زخمی آدم خور کو تلاش کر کے ہلاک کرنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ عام طور پر شکاری، شیر تلاش کرنے کے لیے ہانکا کراتے ہیں۔ چونکہ میں پہلے دو مرتبہ ہانکے کے دوران تلخ تجربات سے دو چار ہو چکا تھا، اس لیے میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ آئندہ کبھی ہانکے کا سہارا نہیں لوں گا۔

ہم نے زخمی شیرنی کو تلاش کرنے کی مہم کا آغاز متروک مندرسیکیا۔ خاصی دور تک زخمی درندے کے خون کے نشانات ہماری رہنمائی کرتے رہے۔ پھلدرا کا وہ علاقہ خاصا زرخیز اور شاداب تھا۔ چھوٹے چھوٹے پہاڑ گھنے جنگلوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ جہاں جنگل ذرا چھدرا ہوتا، وہاں دلفریب مرغزار میلوں تک پھیلے نظر آتے۔ ان میں ہرن، چیتل، سانبھر اور دوسرے چرند پرند بکثرت گھوم رہے ہوتے۔ کہیں کہیں شیر اور چیتے بھی محو استراحت دیکھنے کو ملے لیکن ان میں کوئی بھی ہمارا مطلوبہ درندہ نہ تھا، اس لیے ہم ان سے کئی کترا کر آگے بڑھتے رہے۔

جنگل سے نکل کر ہم ایک ناہموار علاقے میں پہنچ گئے۔ وہاں اونچے نیچے ٹیلوں کی بہتات تھی۔ وہیں ایک جگہ کچی زمین پر آدم خور کے نقوش یا صاف نظر آئے۔ گزشتہ شب شیرنی نے دس میل کا فاصلہ طے کیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ زیادہ زخمی نہیں ہوئی تھی، بصورت دیگر وہ اتنی طویل مسافت کبھی طے نہ کر پاتی۔

ایک ٹیلے کی بلندی پر پہنچ کر ہم نے گھوڑے روک لیے۔ دوپہر کی چمکتی دھوپ میں ہمارے سامنے دس پندرہ کچے مکانات پر مشتمل ایک بستی آگئی تھی۔ شیر کے قدموں کے نشانات اسی بستی تک جا رہے تھے۔ اس کے پار سبزے سے ڈھکی اونچی نیچی پہاڑیاں تھیں جن کے پیچھے پھر گھنے جنگل کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔

بستی پر چھایا موت کا سا سکوت اس کی ویرانی کا غماز تھا۔ ہم گھوڑوں کو دلکی چال چلاتے بستی میں لے گئے۔ مکان ٹوٹے پھوٹے پتھروں اور گارے سے بنائے گئے تھے جن کی چھتیں گھاس پھوس اور لکڑی سے بنی ہوئی تھیں۔ مکانات کے سامنے دور تک کشادہ میدان تھا جس میں کہیں کہیں کھیت نظر آئے مگر اب وہ بنجر ہو چکے تھے۔ ہم نے ایک دو گھروں کے اندر جھانکا مگر ٹوٹے پھوٹے گھروں اور پرانے کپڑوں کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہاں کے مکین ہنگامی حالات سے دو چار ہونے کے بعد شدید خوف و ہراس کی حالت میں بستی خالی کر گئے ہیں۔ آدم خور کے علاقہ واردات میں کسی بستی کا ایسا حشر معمول کی بات تھی۔ ہم پہلے بھی ایسی کئی بستیاں دیکھ چکے تھے، اس لیے زیادہ حیران نہ ہوئے۔ مجھے یقین تھا کہ اس بستی کے بدنصیب مکین آدم خور سے کم اور پچھل پیری سے زیادہ خائف تھے۔

گھروں کے درمیانی راستے پر جہاں کہیں نرم مٹی تھی، وہاں ہمیں شیرنی کے پنجوں کے نشانات صاف دکھائی دیے۔ وہ گھاس کے میدان تک جا رہے تھے۔ ابھی ہم نشانات کے تعاقب میں آگے بڑھنے کا سوچ ہی رہے تھے کہ معاً جنگل میں شیر کی فلک شگاف گرج گونجی جس کے ساتھ ہی یکے بعد دیگرے رائفل کے دو دھماکے سنائی دیے۔ اگلے لمحے فضا پر یوں سکوت چھا گیا گویا کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ ہم

دونوں ششدر کھڑے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ وہ دھماکے شناخت کرنے میں مجھے بمشکل ایک پل لگا۔ تین سو پچھتر میگنم نامی رائفل اس زمانے میں یا تو پیشہ ور شکاریوں کے پاس ہوتی تھی یا پھر ڈاکوؤں اور جاگیرداروں کے پاس۔ بہر حال وہ خاص رائفل تھی اور کسی عام آدمی کے پاس اس کا ہونا محال تھا۔

ابھی ہم ان دھماکوں اور شیر کی گرج کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ گھاس کے میدان سے وہی آدم خور نکلتی دکھائی دی جس کی تلاش میں ہم صبح سے مارے مارے پھر رہے تھے۔ میں نے فوراً رائفل کندھے سے لگا لی اور اس کی دور بین میں دیکھا کہ شیرنی کی گردن سے خون کا دھارا بہہ رہا ہے۔ یہ زخم بلاشبہ تازہ تھا۔ وہ یوں اندھا دھند بستی کی طرف بھاگی چلی آ رہی تھی جیسے اس کے پیچھے کوئی بلا پڑی ہوئی ہے۔ شاید اس نے ابھی ہمیں نہیں دیکھا تھا۔

میں نے فوراً راجو کو اشارہ کیا اور ہم دونوں ایک مکان کی اوٹ میں اس طرح سے بیٹھ گئے کہ ہم تو شیرنی کو دیکھ سکتے تھے مگر ہمارا فوراً اس کی نظروں میں آ جانا ممکن نہ تھا۔ زخمی ہونے کے باوجود شیرنی اس قدر سرعت سے بھاگ رہی تھی کہ اس پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی۔ جلد ہی وہ میدان سے نکل کر کھیتوں میں داخل ہو گئی۔ جیسے اس کا زردی مائل وجود کھیتوں سے برآمد ہوا میں نے اسے اپنے نشانے کی زد پر لے لیا۔

چند قدم دوڑنے کے بعد شیرنی نے جست لگائی، ساتھ ہی اس کے حلق سے ایسی زبردست دھاڑ نکلی کہ پورا علاقہ لرز گیا۔ حواس خمسہ پر شدید گرج کے باعث جو اثر ہوتا ہے، اس کے زائل ہوتے ہی میں نے رائفل پر گرفت مضبوط کی اور شیرنی کے سر سے چند انچ آگے نشانہ لے کر لبلبی دبا دی۔ چار سو پچاس ایکسپریس کے دھماکے سے ماحول گونج اٹھا اور ساتھ ہی ہمیں شیرنی کا رخ بدلتا نظر آیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ زمین پر گر لوٹنے لگی۔ اس کے حلق سے ایسی دہشت ناک آوازیں نکلیں کہ قریب اڑتے ہوئے پرندے تک خوفزدہ ہو کر دور نکل گئے۔ اس دوران راجو نے بھی گولی داغ دی تھی۔

کچھ دیر بعد ہم دونوں اپنی رائفلیں شیر کے مچلتے وجود پر مرتکز کیے مکان کی اوٹ سے نکل آئے۔ ایک گولی شیرنی کے شانے کو چکنا چور کر گئی تھی جبکہ دوسری نے ریڑھ کی ہڈی کو شدید صدمہ پہنچایا تھا۔ یہ دونوں زخم اس قدر کاری تھے کہ شیرنی کا دوبارہ کھڑا ہونا ممکن نہ تھا۔ وہ گرد و غبار اڑاتی ماہی بے آب کے مانند تڑپ رہی تھی۔ میں نے رائفل لوڈ کی اور قدرے قریب جا کر اس پر خالی کر دی۔ چند منٹ بعد وہ ساکت ہو گئی۔ آدم خور بالآخر مر چکی تھی مگر ہمیں یقین نہ آیا، اسی لیے دیر تک اس کے قریب جانے کی ہمت نہ کر سکے۔ دس بارہ منٹ تک یہ دیکھنے کے بعد کہ شیرنی میں زندگی کی کوئی رمق موجود نہیں، ہم آہستہ آہستہ اس کے نزدیک گئے۔ شیرنی کے دانت اور پنجے گھسے ہوئے تھے۔ جلد بد رنگ اور خشک تھی۔ باریک بینی سے لاش کا جائزہ لینے کے بعد مجھے معلوم ہو گیا کہ شیرنی بڑھاپے کی وجہ سے آدم خور بنی تھی۔

ابھی ہم شیرنی کے معاینے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ جنگل کی طرف سے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ تھوڑی دیر بعد ایک گھوڑا جنگل سے نکل کر ہماری طرف بڑھتا نظر آیا۔ دور سے دیکھنے پر لگتا تھا جیسے گھوڑے کی پیٹھ پر کوئی بوری لدی ہے۔ جوں جوں گھوڑا قریب آیا منظر واضح ہو گیا۔ اس پر کوئی آدمی ڈھلکا پڑا تھا۔ سوار کی حالت خاصی خراب تھی۔ تقریباً تمام لباس خون رنگ ہو چکا تھا۔ کندھے اور پشت پر گہری خراشیں پڑی ہوئی تھیں جن سے ابھی تک خون بہ رہا تھا۔ زخمی ہونے کے باوجود سوار کے حواس پوری طرح مختل نہ ہوئے تھے اور اس نے دونوں بازو گھوڑے کی گردن میں حمائل کر کے خود کو گرنے سے بچایا ہوا تھا۔ گھوڑے کی پشت پر بھی خراشیں نظر آ رہی تھیں۔

ہم نے سوار کو سنبھالا اور اسے فوراً گاؤں لے آئے۔ راجو ہر قسم کے زخموں کی دیکھ بھال مہارت سے کر لیتا تھا۔ گاؤں پہنچتے ہی اس نے سوار کے زخم صاف کرنے کے بعد ان پر مرہم پٹی کر دی۔ مجھے یقین تھا کہ سوار کی یہ حالت زار آدم خور کے ساتھ مڈ بھیڑ ہونے کے باعث ہوئی تھی۔

پورے علاقے میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ آدم خور شیرنی چل بسی ہے۔ لوگ دور دور سے اسے دیکھنے آنے لگے۔ پھلدرا کے باسی تو اس قدر مسرور ہوئے کہ انہوں نے ہماری شان میں باقاعدہ جشن کا اہتمام کر ڈالا۔ کچھ دن بعد زخمی سوار کے زخم بھرنے لگے اور وہ بول چال کے قابل ہو گیا۔ ایک شام راجو کے ساتھ جا کر میں نے اس کی خیریت دریافت کی۔ ساتھ ہی میں یہ بھی جاننا چاہتا تھا کہ وہ کون ہے اور کہاں جا رہا تھا۔ ہمیں جنگل سے اس کی ۵۷۴ میگنم رائفل مل گئی تھی جو غالباً تب اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر گر پڑی جب شیرنی نے حملہ کیا تھا۔ میں پہلے ہی بیان کر چکا ہوں کہ وہ رائفل جاگیرداروں، ڈاکوؤں یا پھر شکاریوں کے پاس ہی ہوا کرتی تھی لہذا میں اس شخص کی حقیقت جاننے کے لیے بے تاب تھا۔

بڑے اصرار کے بعد وہ ہمیں اپنی آپ بیتی سنانے پر رضامند ہوا مگر اس نے میری حقیقت جاننے کے بعد مجھ سے وعدہ لیا کہ میں اس کی بابت جاننے کے بعد اسے آگے جانے سے نہیں روکوں گا۔ اس کی کہانی خاصی بے ربط تھی جسے سناتے سناتے وہ اکثر کھو جاتا، میں اپنے الفاظ میں اسے بیان کرتا ہوں۔

-----

وہ پھلدرا سے بیس میل دور واقع جاگیر، ڈھلوانہ کے جاگیردار کا اکلوتا بیٹا نرمل پانڈے تھا۔ خاصی بڑی جاگیر کا اکلوتا وارث ہونے کے ناتے اس کی پرورش بڑے ناز و نعم میں ہوئی۔ ساتھ ساتھ اسے سیر و شکار کا بھی شوق تھا۔ یوں تو اس کی زندگی میں ہر خوشی کی فراوانی تھی مگر شادی کے بعد اسے ایک دکھ نے آلیا۔ یہ اولاد نہ ہونے کا دکھ تھا۔

اس کی بیوی حسن و جمال اور دولت و حشمت میں یکتا تھی مگر قدرت کو اس کی گود ہری کرنا منظور نہ تھا۔ جاگیردار کے ذاتی معالجین نے ہر طرح کے علاج معالجے آزما ڈالے مگر بے سود۔ آخر میاں بیوی نے جوتشیوں اور پنڈتوں کا سہارا لیا۔ دو ماہ کی

تلاش بسیار کے بعد ان کا پالا ایک ایسے جوتشی سے پڑا جس کا دعویٰ تھا کہ وہ نا ممکن کو ممکن بنا سکتا ہے۔ اس نے میاں بیوی کو ایک ایسا عمل بتایا جسے کرنے سے بقول اس کے انہیں زندگی میں ایک بار اولاد مل جاتی۔

لیکن میاں بیوی کو یہ عمل بالکل پسند نہ آیا کیونکہ کامیابی کی شرط یہ تھی کہ ایک دس ماہ کے بچے کے خون سے سر دھویا جائے۔ یہ شرط بیوی کے لیے مخصوص تھی۔

نرمل تو ایسا انسانیت سوز عمل کرنے پر راضی نہ ہوا لیکن اس کی بیوی چپکے چپکے دس ماہ کے بچے کی کھوج میں لگ گئی۔ بالآخر اس کے ملازم نے اسے بتایا کہ پھلدرا کے ایک گاؤں میں ایک غریب کمہار کا بیٹا چند روز تک دس ماہ کا ہو جائے گا۔ جاگیردارنی کے لیے یہ بہت بڑی خبر تھی۔ اپنی گود بھرنے کے لیے وہ کسی کی گود اجاڑنے سے بھی نہ چونکی اور غریب کمہار کا بچہ اٹھوا لیا۔ چونکہ اسے خدشہ تھا کہ اس کا شوہر راہ کی رکاوٹ بن جائے گا، اسی لیے اس نے عمل کی رات نرمل پانڈے کو نشہ آور دودھ پلا کر بے ہوش کیا اور بچہ لے کر وہاں سے نکل کھڑی ہوئی۔ اس کی منزل وہی سنسان مندر تھا جہاں وہ اپنا شقی القلب عمل کرنے سے قبل خود ہی آدم خور کا شکار بن گئی۔ نرمل کے ساتھ بعد میں جو حالات پیش آئے، وہ اسی کی زبانی سنئے:

-----

جیسے ہی مجھے ہوش آیا میں نے ملازموں سے اپنی بیوی کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ اپنے رشتے داروں سے ملنے گئی ہے۔ لیکن میرا دل نہیں مانتا تھا کیونکہ وہ میرے بغیر کبھی کہیں نہ گئی تھی۔ بہر حال کچھ دن انتظار کرنے کے باوجود جب اس کی کوئی خبر نہ ملی تو میں نے اس کے رشتے داروں کے ہاں جانے کی ٹھانی۔ ابھی میں جنگلوں سے گزر رہا تھا کہ ایک زخمی شیرنی سے میری مدد بھیڑ ہو گئی۔ اس کے بعد کے واقعات سے آپ بخوبی واقف ہیں۔“

تم نے کہا تھا کہ میں تمہاری آپ بیتی سننے کے بعد تمہیں آگے جانے سے نہ ”  
روکوں گا، مگر مجھے افسوس ہے کہ تمہارے آگے جانے کا اب کوئی فائدہ نہیں۔“ میں  
نے گمبھیر لہجے میں کہا، تو نرمل پانڈے نے مجھے چونک کر دیکھا۔

میں نے کچھ کہنے کے بجائے جیب سے کیڑے میں لیٹا ہوا خون آلود تعویذ نکالا اور  
اس کے سامنے رکھ دیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے تعویذ کو دیکھتا رہ گیا کیوں کہ اس  
پر نرمل کی بیوی کا نام کندہ تھا۔ ”یہ کیا ہے؟“ اس کے منہ سے فقط اتنا ہی نکل سکا۔

تمہاری بیوی ایک غریب کے بچے کا بلیدان دینا چاہتی تھی۔“ میں نے سرسراتی ”  
”ہوئی آواز میں جواب دیا۔ ”مگر قدرت نے اسے آدم خور کا لقمہ بنا ڈالا۔

یہ کہہ کر میں نے اسے غم و اندوہ کی تصویر بنا چھوڑا اور راجو کے ساتھ کمرے سے  
نکل آیا۔

راجو۔“ میں نے پائپ سلگاتے ہوئے کہا۔ ”شکر ہے کہ آدم خور کے ساتھ ساتھ ایک ”  
”ڈائن بھی قدرت کے غیبی ہاتھ کا شکار ہو کر کیفر کردار کو پہنچ گئی۔

ختم شد

---

*For More PDFs Go To Our Website*

*“ kohnovelsurdu.blogspot.com ”*

*OR*

*Go To Our Facebook Page*

*“ KoH Novels - Urdu ”*